بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب کا خطاب

تقریب یوم آزادی - ۱۳ اگست ۱۹۷۲ء

قائداعظم! آپ کہاں ہیں؟

کچھ نقش تری یاد کے باقی ہیں ابھی تک
دل بے سروساماں سہی ویراں تو نہیں ہے

صدر محترم و عزیزان گرامی قدر! سلام و رحمت۔

ہماری ملی زندگی میں آج کے دن سے زیادہ عزیز اور عظیم دن کوئی نہیں کہ اس دن ہم نے انگریز اور ہندو کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اپنی آزاد مملکت کا افتتاح کیا تھا۔ ما سوائے سالِ گذشتہ کہ ہمارا سیاسی مطلع گرد آلود تھا، ہم اس تقریب کو بطور جشنِ مسرت مناتے رہے ہیں۔ لیکن اس سال جو میں آپ کے سامنے حاضر ہو رہا ہوں تو جذبات کی ایک عجیب دنیا دل میں لئے ہوئے۔ یوں سمجھئے جیسے کوئی بوڑھا باپ اپنے اُن جواں سال جڑواں بیٹوں کی سالگرہ منا رہا ہو جن میں سے ایک کو وہ سپردِ خاک کر چکا ہو اور دوسرے کی تیمارداری میں مصروف۔ پچھلے سال اس سوختہ بخت ملک اور حرماں نصیب قوم پر جو کچھ بیتی، اور آج جن متذبذب آمیز حالات سے ہم گزر رہے ہیں، اس کے احساس سے دل کا خون خود بخود کھنچ کر آنکھ میں آجاتا ہے۔ اور یہ تنہا ــــ مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا ــــ لیکن یہ ظاہر ہے کہ کسی کے ساتھ تعلقات جس قدر گہرے ہوں، اور ان کی مدت جتنی طویل، اُسی نسبت سے اس کی بربادی کا غم شدید اور اس کی تباہی کا صدمہ عمیق ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے میں کہہ سکتا ہوں کہ آج پاکستان میں بہت کم ایسے ہوں گے جن کا سینہ مجھ ایسا فگار اور جن کا قلب ہیں اس قدر برنگِ غنچہ لبریز جراحت ہو۔ میری کیفیت یہ ہے کہ:

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

پاکستان کے ساتھ میرے تعلقات کی گہرائی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کا حصول میرے نزدیک تقاضائے دین تھا اور اس خطۂ پاک کا تحفظ میرا جزوِ ایمان بنا رہی۔ ان تعلقات کی مدت، تو اس کے متعلق اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ

تو اپنی بزمِ ناز کو دیکھ اور ازل کو دیکھ ۔ آیا کہاں سے تیری تمنا لئے ہوئے۔

میں اُس زمانے کا پاکستانی ہوں جب ہنوز پاکستان کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میں جنگِ

۱۹۱۳ء کا پاکستانی

بلقان کے زمانے سے کہ میری عمر بمشکل آٹھ نو سال کی ہوگی، ملتِ اسلامیہ کی سیاست سے دلچسپی لینے لگ گیا تھا۔ اس کے بعد خود ہندوستان میں متعدد تحریکیں آندھیوں

کی طرح امنگیں اور آنسوؤں کی طرح بیٹھ گئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی میرے لئے گلہائے تسلی نہ ہوئی تا آنکہ آج سے بیالیس سال پہلے ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے الہ آباد کے مقام پر اپنے مشہور خطبہ صدارت میں اس منزل کی نشاندہی کر دی جو میرے لئے قبلۂ مقصود اور کعبۂ مدعا بن گئی۔ انہوں نے فرمایا تھا:

> ہندوستان، دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی تعلق کا نام نہیں۔ یہ ایک نظامِ حکومت ہے۔ اس نظام کا تعین اس وقت ہو چکا تھا جب کسی روسو کے دل میں ایسے نظام کا خیال تک نہیں آیا تھا.... اس کی صحیح قدر و قیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک معاشرتی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ فٹ ہو (اور یہ چیز اپنی آزاد مملکت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی) اس لئے میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد اسلامی ریاست قائم کر دی جائے...... اس سے اسلام اپنی تعلیم اور ثقافت کو پھر سے زندگی اور حرکت عطا کر سکے گا اور انہیں عصرِ حاضر کی روح کے قریب تر لانے کے قابل بنا سکے گا۔

اس سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ اسلام مذہب نہیں، دین یعنی نظامِ حیات ہے، اور یہ نظامِ حیات اسی صورت میں زندہ اور قائم ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ اس سے اپنی آزاد مملکت کا حصول میرے لئے تقاضائے دین بن گیا۔

۱۹۳۶ء میں جب قائداعظم علامہ اقبالؒ کے اس تصورِ اسلام کو عملی پیکر میں متشکل کرنے کے لئے مصروفِ جدوجہد ہوئے تو انہوں نے ایک دن مجھے یاد فرمایا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ تحریک جسے لیکر ہم اٹھے ہیں، تمہارے لئے تقاضائے دین ہے۔ اس میں ہمارا مقابلہ تین محاذوں پر ہو گا ــــ انگریز، ہندو اور نیشنلسٹ علماء جو "قال اللہ اور قال الرسول" کے پردے میں اس تحریک کی مخالفت کریں گے۔ پہلے دونوں دشمنوں سے ہم نمٹ لیں گے میں چاہتا ہوں کہ یہ تیسرا محاذ تم سنبھال لو۔

طلوعِ اسلام کا اجراء

اور اس طرح اپریل ۱۹۳۸ء میں طلوعِ اسلام کا اجراء عمل میں آیا۔ اس وقت گنتی کے دو چار علمائے کرام کے سوا، باقی سب اس تحریک کے مخالف تھے ــــ (مولانا) ابوالکلام آزاد، حسین احمد مدنی، احمد سعید دہلوی، مفتی کفایت اللہ، وغیرہ ان کے سرخیل تھے اور ان کے علم و فضل کی دھاک، ہندوستان ہی میں نہیں، تمام عالمِ اسلام میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سب ایک طرف تھے اور طلوعِ اسلام تنہا دوسری طرف۔ اس نے اُن کی یورشوں کا مقابلہ کس جرأت سے کیا اور انہیں ہر میدان میں کس طرح عبرت آمیز شکست ہوئی اس پر اُس زمانے کے طلوعِ اسلام کے فائل شاہد ہیں۔ مابہ النزاع مسائل دو ہی تھے۔ یعنی

(۱) اُن کا دعویٰ تھا کہ ایک ملک یا مملکت کی حدود میں بسنے والے مسلم اور غیر مسلم ــــ ہندو اور مسلم ــــ سب مل کر ایک قوم بن جاتے ہیں۔ اس قوم کی اپنی مملکت ہوتی ہے اور اپنی حکومت۔

اس کے برعکس، ہمارا دعویٰ یہ تھا کہ قرآن کریم کی رُو سے معیارِ قومیت حسب نسب، رنگ، خون، وطن یا

مملکت کا اشتراک نہیں بلکہ ایمان کا اشتراک ہے۔ مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں بستے ہوں ایک قوم کے افراد ہیں۔ اور غیر مسلم خواہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی ملک میں کیوں نہ رہتے ہوں، دوسری قوم۔ اس نظریہ قومیت کی رُو سے ہندوستان میں بسنے والے مسلمان اور غیر مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اسے دو قومی نظریہ یا (TWO-NATION THEORY) کہا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو اقبالؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ :-

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے!

(۲) دوسرا نکتۂ اختلاف یہ تھا کہ نیشنلسٹ علماء کہتے تھے کہ جب ہندوستان کے ہندو اس امر کی ضمانت دیتے ہیں کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے عقاید و عبادات اور شخصی قوانین پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوگی تو پھر جداگانہ مملکت قائم کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اور ہمارا دعویٰ یہ تھا کہ اسلام عقاید و عبادات اور شخصی قوانین ہی کا نام نہیں۔ جب تک زندگی کے ہر شعبے پر احکام و قوانین خداوندی کی حکمرانی نہ ہو مسلمان اپنے آپ کو آزاد تصور نہیں کر سکتا۔ نیشنلسٹ علماء کا یہی مسلک تھا جس پر تنقید کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ہمارے ان دونوں دعاوی کا نام نظریہ پاکستان تھا۔ دس برس تک قائداعظم اور ان کے رفقاء مسلسل اور پیہم ان دعاوی کو دہراتے رہے۔ یعنی یہ کہ اسلام کی رُو سے ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اور مسلمان صحیح اسلامی زندگی بسر کر نہیں سکتے جب تک ان کی اپنی آزاد مملکت نہ ہو۔ دس برس کی مسلسل جنگ کے بعد بفضل ایزدِ متعال، پاکستان وجود میں آگیا۔ اور ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو اس کے یومِ تاسیس کے تین دن بعد ہم نے اپنی آزاد مملکت میں پہلی نمازِ عید ادا کی — وہ عید جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ

آزادی کی پہلی عید

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں | عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں

اس میں شبہ نہیں کہ اُس وقت بھی ہم و آلام کے بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے تھے۔ ہندو نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا تھا اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین کے لٹے پٹے قافلے بخاک و خون غلطیدہ اس نوزائیدہ مملکت کی ذمہ داری بن رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نہ افسردہ تھے نہ پژمردہ۔ اس لئے کہ اگر آخر شب کے یہ جھلملاتے ہوئے چراغ گل ہو رہے تھے تو سامنے پاکستان کے مستقبل کا آفتابِ جہاں تاب صوفشانیوں کی ہزار دنیائیں اپنے جلو میں لئے اُبھرتا نظر آ رہا تھا۔ اور افق کے اس پار سے یہ نوید جانفزا باعثِ صد تسکین اور وجہ ہزار تسلی ہو رہی تھی کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا۔

پاکستان کا تصور دینے والا اقبالؒ اس سے نو سال پہلے دنیا سے رخصت ہو چکا تھا اور اسے عملاً متشکل کرنے والا قائداعظم، ایک سال بعد اپنے رفیق سے جاملا۔ اور اس کے بعد دنیا نے بصد حیرت و استعجاب یہ تماشہ دیکھا کہ جس بنیاد پر اس مملکت کی عمارت استوار ہوئی تھی، اس قوم نے اسے خود اپنے ہاتھوں کھود ڈالا — كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا۔ (۱۶/۹۲) اس بڑھیا کی طرح جس نے دن بھر بڑی محنت اور مشقت سے سوت کاتا اور شام کو

زوال کی ابتداء

اسے خود اپنے ہاتھوں ادھیڑ دیا۔ اور تعجب بالائے تعجب کہ ساری قوم ہی اس ادھیڑنے کے شغل میں مصروف ہو گئی۔ اس "پاگل خانے" میں طلوع اسلام کی ایک آواز تھی جو پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اے دیوانو! سوچو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا انجام کیا ہو گا؟ انہوں نے یہاں آتے ہی ایک طرف پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ایک قوم قرار دے دیا اور اس طرح دو قومی نظریہ کا خود ہی ابطال کر دیا پھر انہوں نے صوبائی تفریق اور بنگالی، پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچ کے امتیاز کی گرہیں مضبوط کر کے ایمان کے اشتراک کی بنا پر امت واحدہ کے تصور کو ملیامیٹ کر دیا۔ باقی رہا دوسرا دعویٰ (یعنی یہ کہ یہ مملکت اس لئے حاصل کی گئی ہے کہ ہم یہاں قوانین خداوندی نافذ کر سکیں) سو اسے اسلام کے اجارہ داروں نے عملاً ناممکن بنا دیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ "مملکت کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہو گا" اور طلوع اسلام نے انہیں متنبہ کیا کہ یاد رکھو! کتاب و سنت کی رو سے کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ قرآن کریم کو بنیاد قرار دے کر ضابطۂ قوانین مرتب کرو۔ اس پر انہوں نے طلوع اسلام کو منکر حدیث اور منکر سنت قرار دے کر کفر کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ اور اپنے اسی مطالبہ کو دہراتے رہے۔ بالآخر انہیں تیئیس برس کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ کتاب و سنت کی بنیادوں پر فی الواقعہ ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا۔ (ملاحظہ ہو مودودی صاحب کا بیان شائع شدہ ایشیا مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۷۰ء)۔ لیکن اتنے میں ہماری نئی نسل یہ سمجھ کر کہ اسلام اب ناممکن العمل ہو چکا ہے سیکولر حکومت پر آ چکی تھی۔ مطالبہ پاکستان کے دونوں ستون یوں منہدم ہو گئے ۔۔۔ تھے یہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے۔

بنگالی، پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچ کے امتیاز نے جداگانہ قومیتوں کے جراثیم کی پرورش کی اور علماء حضرات کے اس ناممکن العمل مطالبہ نے سیکولر حکومت کے تصور کو عام کیا۔ اس طرح پاکستانی مسلمانوں میں کوئی شے وجہ اشتراک نہ رہی۔ اس کا پہلا نتیجہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں رونما ہوا۔ اور اب وہی رو

چار قوموں کا نظریہ

مغربی پاکستان میں چل رہی ہے۔ یہاں ۱۹۷۱ء میں یہ آواز بلند ہوئی (اور اس میں فیض احمد فیض اور جوش ملیح آبادی قسم کے لوگ پیش پیش تھے) کہ مغربی پاکستان میں ایک قوم نہیں چار قومیں بستی ہیں (ملاحظہ ہو طلوع اسلام بابت مئی ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۲)۔ یہ آواز بڑی خطرناک تھی اور پاکستان کو ختم کر دینے کا نہایت موثر حربہ۔ اس لئے کہ جب آپ کسی قوم کا الگ وجود تسلیم کر لیتے ہیں تو اس کے بعد اس کے جداگانہ آزاد مملکت کے مطالبہ کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے مطالبہ پاکستان کی بنیاد بھی تو اسی دعویٰ پر تھی کہ ہم ایک الگ قوم ہیں۔ جونہی ہم نے اس دعویٰ کو تسلیم کرا لیا، پاکستان کی جداگانہ مملکت کا مطالبہ ناقابل استرداد ہو گیا۔ یہ "چار قوموں" کا سنپولیہ خاموشی ہی خاموشی میں پرورش پاتا چلا گیا تاآنکہ اب یہ خطرناک اژدہا بن کر پھنکارتا پھرتا ہے۔ سندھ میں یہ آواز عام ہو چکی ہے۔ جی۔ ایم۔ سید مصر ہے کہ سندھیوں کو الگ قوم تسلیم کیا جائے۔ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ عطاء اللہ مینگل کا یہ بیان ابھی حال ہی میں (۲۷ جولائی ۱۹۷۲ء کے نوائے وقت میں) شائع ہوا ہے کہ "نیشنل عوامی پارٹی بچے کھچے پاکستان میں چار اقوام کی موجودگی کی قائل ہے۔" اسی اخبار کی ۲۸ جولائی کی اشاعت کے اداریہ میں کہا گیا ہے کہ:-

> مرکزی وزیر مواصلات اور سیاسی امور مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی نے گذشتہ روز میرپور خاص میں اپنی پارٹی کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے بالکل واضح طور پر کہہ دیا کہ پارٹی (یعنی پیپلز پارٹی) کے منشور

کے مطابق پاکستان میں چار قومیں ——— سندھی، پنجابی، پٹھان اور بلوچ آباد ہیں اور پارٹی منشور کے مطابق کام کرے گی۔[1]

اتنا ہی نہیں، یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ پاکستان میں سیکولر حکومت قائم ہوگی ——— اور یہ بات نئی نہیں، آج سے بہت پہلے اسے بلند کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۹۷۲ء میں پاکستان کے سابق چیف جسٹس منیر صاحب نے پاکستان ٹائمز میں ایک مبسوط مقالہ لکھا۔ جس کا عنوان تھا (DAYS TO REMEMBER)۔ اس کے آخر میں انہوں نے کہا تھا کہ

> تشکیلِ پاکستان کے وقت کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہوگی۔

جسٹس منیر صاحب کے تتبع میں، ہماری نئی نسل کے ایک نوجوان نے، اسی اخبار کی ۱۰ جولائی ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ۔

> پاکستان کی تشکیل کا اصل مقصد تو سیاسی اور معاشی اقتدار حاصل کرنا تھا۔ لیکن اس مطالبہ کو عوام کے سامنے جذباتی اور مذہبی سوال بنا کر پیش کیا گیا تاکہ اس سے یہ عوامی تحریک بن سکے۔

یہ کہتے ہوئے ہمارے اس عزیز کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ اس سے وہ بانی پاکستان کے خلاف ایسا الزام عاید کر رہا ہے جس کی جراءت ان کے بڑے سے بڑے مخالف کو بھی نہ ہوتی تھی۔ (یہ ضمنی بات تھی) پہلے یہ آواز دبی دبی سی اٹھ رہی تھی لیکن مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد اب اس کا الاپ نہایت اونچے سُروں میں شروع ہو گیا ہے۔ میں اس مقام پر اس کی دو ایک مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ کوئی صاحب ہیں پروفیسر احمد حسن دانی۔ ان کا ایک طویل مقالہ (بعنوان پاکستان نیشن ہُڈ) جریدہ پاکستان ٹائمز کی ۱۰ جون ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس میں وہ رقمطراز ہیں۔

> بنا بریں، پاکستانی قومیت کی بنیاد اسلام کی روحانی اقدار نہیں کیونکہ اسے اسلام کے کسی فلسفہ کی سند حاصل نہیں۔ اس کی بنیاد وہ تاریخی عوامل ہیں جن سے یہاں کے مسلمان دوچار رہتے۔

حامد محمود صاحب پاکستان کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کا ایک مبسوط مقالہ روزنامہ پاکستان ٹائمز کی ۷ جون ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب صدر بھٹو مذاکرات کے لئے شملہ تشریف

---

[1] ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ پیپلز پارٹی کا ایک مرکزی وزیر یہ کہہ رہا ہے اور اسی پارٹی کے دوسرے مرکزی وزیر کوثر نیازی صاحب کچھ اور فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ۲۷ جولائی ۱۹۷۲ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ انہوں نے پاکستان سنٹر کے افتتاح پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی۔ یہ نظریہ علامہ اقبالؒ نے پیش کیا اور برصغیر کے مسلمانوں نے قائداعظمؒ کی قیادت میں اس نظریہ کے حصول کے لئے جد وجہد کی۔" انہوں نے اس پر دکھ کا اظہار کیا کہ کچھ عناصر ملک میں پانچ قومیتوں کے نظریہ کے پرچار میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ بزدل ہیں اور کھلے بندوں دل کی بات زبان پر نہیں لاتے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم اور قومیتوں کی سرحدوں میں الجھا رہے ہیں حالانکہ قومیتیں قوم سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ مولانا نے کہا کہ ان لوگوں نے چونکہ دو قومی نظریہ کی خاطر جد وجہد نہیں کی اس لئے ان کا اس کے ساتھ کچھ لگاؤ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان علاقائی رشتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ نظریاتی بنیادوں پر وجود میں آیا تھا اور پاکستانی ایک قوم بنے تھے۔ مسلمانوں کا زوال اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے علاقائی بنیادوں پر سوچنا شروع کیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم ملک کا آدھا حصہ کھو بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پانچ قومیتوں کا پرچار کرنے والے ایک خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں۔

لے جا رہے تھے۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی آئیڈیالوجی کی بھی وضاحت کر دی جائے کیونکہ یہ بات بڑی شد و مد سے کہی جا رہی ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے سے دو قومی نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے۔ پاکستان کی آئیڈیالوجی کے متعلق سادہ سے الفاظ میں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ پاکستان میں اسلامی مملکت یا تھیاکریسی یا "پان - اسلامک" سیاسی نظام قائم کیا جائے۔ یہ چیز مسلمانوں کی ہندوؤں سے علیحدگی کا منطقی نتیجہ تو ہو سکتی ہے لیکن یہ اس آئیڈیالوجی کی بنیاد ہرگز نہیں۔ اس آئیڈیالوجی کی بنیاد دو قومی نظریہ ہے۔ سادہ الفاظ میں دو قومی نظریہ کا مفہوم یہ تھا کہ جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں تھے انہیں ہندوستان سے الگ کر لیا جائے۔ بالفاظ دیگر مسلمان اقلیت کو ہندو اکثریت کے تغلب سے آزاد کرا لیا جائے۔ دو قومی نظریہ کے لئے پہلے ایک غیر قوم — یعنی ہندوؤں — کے وجود کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس کا اطلاق کسی اور مسلم قومیت پر نہیں ہو سکتا۔ بنابریں اگرچہ یہ کہنا ممکن یا مناسب نہ ہوگا لیکن ہوگا یہ بالکل منطقی اور جائز کہ ہندوؤں سے علیحدگی کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق بلکہ جنوبی ہند میں مسلمانوں کی دو، تین یا پانچ مسلم ریاستیں ہو سکتی ہیں۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ

اگر پاکستان کی آئیڈیالوجی سے مراد ایک اسلامی مملکت کا قیام ہے جیسا کہ بعض لوگ نہایت شد و مد اور حتم و یقین کے ساتھ کہتے ہیں تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ ہمیں کسی اور اسلامی مملکت مثلاً افغانستان یا ایران کے اندر مدغم ہو جانا چاہیئے۔

میں ان طویل اقتباسات کے لئے سامعین سے معذرت خواہ ہوں۔ اگرچہ مقالہ نگار کا اسلوب بیان بڑا الجھا ہوا سا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہیں سامعین اسے سمجھ گئے ہونگے۔

بنگلہ دیش کی علیحدگی کے سلسلہ میں وہ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء کے ریزولیوشن میں پاکستان کے شمال جنوب اور شمال مشرق میں دو جداگانہ آزاد مملکتوں کا تصور پیش کیا گیا تھا۔ اس لئے اگر مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو گیا ہے تو یہ

دو الگ مملکتیں

قرارداد لاہور کے عین مطابق ہے۔ واضح رہے کہ دو آزاد مملکتوں کا یہ شوشہ پہلے مولانا بھاشانی نے چھوڑا تھا۔ پھر اسے شیخ مجیب الرحمٰن نے ابھارا۔ اور اب (بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی پیش بندی کے طور پر) اسے پھر ہوا دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مرکزی وزیر (بلا شعبہ) مسٹر خورشید حسن میر نے بھی اگلے دنوں یہی کہا تھا۔ (ملاحظہ ہو طلوع اسلام بابت جولائی ۷۲ء - صفحہ ۸)

یہ ہیں برادران عزیز! وہ بھانت بھانت کی بولیاں جو اس وقت نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریہ کے متعلق یہاں بولی جا رہی ہیں۔ دو قومی نظریہ کے سلسلہ میں مجھے یہ بات انتہائی قلق اور تاسف کے ساتھ کہنی پڑتی ہے کہ اس باب میں خود صدر مملکت محترم بھٹو صاحب کا ذہن بھی صاف نہیں۔ چنانچہ انہوں نے گزشتہ مئی میں امریکن براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ

ہم (اہل پاکستان اور اہل ہند) ۱۹۴۷ء تک ایک ہی قوم تھے۔ (پاکستان ٹائمز۔ ۱۵ مارچ)

یہ تو رہا دو قومی نظریہ کے متعلق۔ جہاں تک نظریہ پاکستان کا تعلق ہے گزشتہ جون میں پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ہمارے محترم وزیر تعلیم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے فرمایا کہ

وزیر تعلیم کا ارشاد گرامی!

ہر کوئی نظریہ پاکستان کی بات تو کرتا ہے لیکن خود قائداعظمؒ نے نظریۂ پاکستان کا ذکر نہیں کیا۔ قائداعظمؒ نے مسلمانوں کے معاشی استحصال سے متاثر ہو کر پاکستان کے لئے جدوجہد شروع کی تھی اور مسلمانوں کی معاشی خوش حالی ان کا مقصد تھا۔

(نوائے وقت۔ ۲ جون)

اس پر حزب اختلاف کے لیڈر رحمت اللہ ارشد صاحب نے صدائے احتجاج بلند کی تو قائد ایوان محترم ملک معراج خالد نے یہ کہہ کر اس سوال کو موضوعِ بحث بننے سے روک دیا کہ:

ڈاکٹر صاحب کا مقصد یہ ہے کہ قائداعظمؒ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور اسلام کو مقدم رکھ کر معاشی خوشحالی کی بات کرتے تھے۔ ان کے نظریات کی بنیاد اسلام تھا۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است!

ان حالات کے ماتحت عزیزانِ من! میں نے ضروری سمجھا ہے کہ کم از کم اتنا تو بتا دیا جائے کہ قائداعظمؒ اس باب میں کیا کہا کرتے تھے۔ مجھ پر یہ ذمہ داری ایک تو اس لئے عاید ہوتی ہے کہ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے، پاکستان کا تحفظ میرا جزوِ ایمان ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ مجھے قریب دس سال تک قائداعظمؒ کے قریب رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ کل روزِ قیامت اگر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے سامنے میرے خلاف اس قسم کے الزامات تراشے جاتے تھے، میں اپنی مدافعت کے لئے وہاں موجود نہیں تھا، تم ابھی زندہ تھے اور سب کچھ تمہارے علم میں بھی تھا، تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ حقیقتِ حال لوگوں پر واضح کر کے میری پوزیشن صاف کر دو، تو میں اُن کے اس سوال کا جواب کیا دوں گا؟ یہ ٹھیک ہے کہ ابھی ہم میں اُس دور سے متعلق ایسے لوگ موجود ہیں جو ان سوالات کا جواب مجھ سے بھی بہتر طریق پر دے سکتے تھے لیکن ان کی جو کیفیت ہے اسے بیان کرنے سے میری نگاہیں مارے شرم کے زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا۔

مسلم لیگی راہ نمایانِ کرام

کوئی دو سال اُدھر کا ذکر ہے، پاکستان ٹیلیویژن نے، تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے بعض نامور مشاہیر کو بلایا تھا کہ وہ بتائیں کہ مطالبۂ پاکستان کا جذبۂ محرکہ کیا تھا۔ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے چوہدری خلیق الزمان، مسٹر حسین امام، راجہ محمود آباد، شاہ عزیز الرحمٰن جیسے بزرگ ٹیلیویژن پر تشریف لائے اور انہوں نے جو کچھ فرمایا مجھے یقین ہے کہ اسے سنکر قائداعظمؒ کی روح تڑپ اٹھی ہوگی۔ انہوں نے وہی کہا تھا جسے ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے اب دہرایا ہے۔ یعنی یہ کہ ہندو کی تنگ نظری نے ہمیں مجبور کر دیا تھا کہ ہم اُس سے علیحدہ ہو جائیں۔ اگر وہ ذرا کشادہ دلی سے کام لیتا اور ہمارے معاشی استحصال سے باز آجاتا تو ہم کبھی الگ مملکت کا مطالبہ نہ کرتے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

زگلفروش ننالم کہ اہل بازار است
تپاک گرمیٔ رفتار باغبانم سوخت

قائداعظمؒ کے ارشادات

لہٰذا عزیزانِ من! یہ قرعۂ فال اس دیوانے کے نام ہی پڑا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ قائداعظمؒ نے اس سلسلہ میں کیا کہا تھا یعنی اس سلسلہ میں کہ

(۱) کیا مطالبۂ پاکستان سے مقصود ایک اسلامی مملکت کا قیام تھا یا محض ہندو کے معاشی استحصال سے چھٹکارا حاصل کرنا۔

(۲) کیا دو قومی نظریہ اس لئے پیش کیا گیا تھا کہ یہ اسلام کا تقاضا ہے۔ یا اسے محض ایک حربہ کے طور پر اختیار کیا گیا تھا۔ اور

(۳) قائداعظمؒ کے پیش نظر ایک پاکستان کا تصور تھا یا دو الگ الگ مملکتوں کا۔

اس سلسلہ میں میں ان زبانی باتوں کا تذکرہ بالکل نہیں کروں گا جو دس سال کی ملاقاتوں میں قائداعظمؒ کے ساتھ ہوتی رہیں۔ اس لئے کہ ان کی سند کوئی نہیں ہوگی۔ میں صرف قائداعظمؒ کی ان تقاریر اور بیانات کے اقتباسات پیش کروں گا، جو چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں بنیادی طور پر وہ دو جلدیں سرفہرست ہیں جنہیں شیخ محمد اشرف پبلشر لاہور نے شائع کیا تھا۔ حوالے کے لئے جلد اول کا ۱۹۵۲ء کا اور جلد دوم کا ۱۹۷۶ء کا ایڈیشن میرے سامنے ہے۔ (بغرض سہولت میں ان کے صفحات تک کا بھی حوالہ دیتا جاؤں گا)۔

(۰)

سب سے پہلے اس سوال کو لیجئے کہ قائداعظمؒ کی سیاست معاشی یا سیاسی مقاصد ہی پر مبنی تھی یا اس میں مذہب کو بھی کوئی دخل تھا؟ قائداعظمؒ کا حریفِ اوّل (مہاتما) گاندھی تھا۔ اس نے اعتراض کیا کہ مسٹر جناح خواہ مخواہ مذہب کو سیاست میں گھسیٹ لاتے ہیں۔ مذہب کو سیاست سے کیا واسطہ؟ اس کے جواب میں قائداعظمؒ نے یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو مسٹر گاندھی کے نام ایک تفصیلی خط لکھا اور اس میں کہا کہ:

سیاست اور مذہب

آج آپ (یعنی مسٹر گاندھی) اس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے۔ لیکن جب خود آپ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصود کیا ہے، وہ کون سی قوتِ محرکہ ہے جو آپ کو آمادہ بہ عمل کرتی ہے کیا وہ مذہب ہے یا سیاست یا عمرانی اصلاح ہے۔ تو آپ نے کہا تھا کہ "وہ خالص مذہبی جذبہ ہے۔" (لہٰذا مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے ہو نہیں سکتے) آپ تمدنی۔ معاشی۔ سیاسی۔ اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے۔ جس مذہب کو نوعِ انسان کے معاملات سے واسطہ نہیں میں اسے مذہب ہی تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب انسان کے ہر معاملہ کے لئے اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اگر مذہب نہ ہو تو انسانی اعمال اس بنیاد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور جب زندگی ایسی بنیاد سے محروم رہ جائے تو وہ انسانی زندگی نہیں محض غوغہ آرائی اور ہنگامہ پروری بن کر رہ جاتی ہے جس میں شور و شغب تو بہت ہوتا ہے لیکن مقصد کچھ نہیں ہوتا۔ (تقاریر۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۳۹)

میں سمجھتا ہوں کہ زیرِ نظر سوال کے جواب کے لئے صرف یہی اقتباس کافی ہوگا لیکن چونکہ بات اجمال سے نہیں بنے گی

اس لئے میں اس کی تفصیل بھی پیش کر دینا چاہتا ہوں۔

اسلام - اسلام اور صرف اسلام

(۱) قائداعظمؒ نے ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو ریڈیو پر قوم کے نام پیغام عید نشر کیا تھا۔ اس میں انہوں نے قرآنی تعلیم کے مختلف گوشوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

معاشی احیاء ہو یا سیاسی آزادی۔ اسے آخرالامر زندگی کے کسی گہرے مفہوم پر مبنی ہونا چاہیئے اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیئے کہ ہمارے نزدیک زندگی کا وہ گہرا مفہوم اسلام اور روح اسلام ہے۔ (تقاریر جلد اول صفحہ ۱۰۸)

(۲) مارچ ۱۹۴۱ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا کہ ذات برادری کی تقسیم، اور شیعہ سنی کی تفریق ہمیں ایک قوم نہیں بننے دیگی۔ ان تفریقات کو ختم کر دیجیئے۔ یاد رکھیئے۔ ہماری کشتی کا لنگر اور ہماری عمارت کی بنیاد اسلام ہے۔ (تقاریر جلد دوم۔ صفحہ ۸۹)

(۳) انہوں نے، ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیر مسلم لیگ کانفرنس پشاور سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

(سوال یہ ہے کہ ہم جس آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اس کے حصول کے لئے ہمارے پاس قوت کونسی ہے) ہماری وہ قوت، ہمارا مذہب، ہماری ثقافت اور اسلامک آئیڈیلز ہے۔ (تقاریر جلد دوم۔ صفحہ ۲۳۸)

(۴) انہوں نے ۱۹۴۵ء میں اپنے پیغام عید میں قوم سے کہا۔

یاد رکھیئے۔ اسلام صرف روحانی احکام اور نظریات یا مذہبی رسوم و مراسم کا نام نہیں۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اسلامی معاشرہ کے ہر گوشے کو محیط ہے۔ خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو اور خواہ حیات اجتماعیہ سے۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۰۱)

یہ تو رہا اسلام کی عمومی حیثیت کے متعلق۔ اب آیئے اس سوال کی طرف کہ مطالبۂ پاکستان کا جذبۂ محرکہ کیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے

(۵) ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیر مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

مسلمان اس لئے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مملکت میں وہ اپنے ضابطۂ زندگی اپنے ثقافتی نشوونما اور روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ (تقاریر حصہ دوم۔ صفحہ ۲۴۳)

(۶) اسی حقیقت کو انہوں نے اسی ماہ، اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے دہرایا۔ (ایضاً صفحہ ۲۴۵)

(۷) انہوں نے ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایڈورڈس کالج پشاور کے طلباء کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

ہم ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ہمارا مذہب ایک دوسرے سے مختلف ہے بلکہ ہمارا کلچر بھی الگ الگ ہے۔ ہمارا مذہب ہمیں ایک ایسا ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے۔ ہم اسی ضابطہ کے آئیڈیلز کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں لیکن ہندو لیڈرشپ رام راج قائم کرنا چاہتی اور اس رام راج میں مسلمانوں کو اقلیت کی پوزیشن دینا چاہتی ہے (تقاریر حصہ دوم۔ صفحہ ۲۴۷)

آپ نے غور فرمایا عزیزان من! کہ یہ ہندو کا معاشی استحصال تھا جس نے ہمیں مطالبۂ پاکستان پر مجبور کیا تھا یا ان کا یہ منصوبہ کہ مسلمان اسلام کے مطابق نہیں بلکہ رام راج کے تابع زندگی بسر کریں! اس سلسلہ میں قائداعظمؒ نے:

(۸) پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس منعقدہ ۲ مارچ ۱۹۴۴ء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

اسلامک سٹیٹ

پاکستان کا مطالبہ اب کروڑوں مسلمانوں کے نزدیک جزو ایمان بن چکا ہے یہ اب ایک نعرہ نہیں رہا۔ مسلمانوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ ان کی حفاظت، نجات اور مقدر کا واحد ذریعہ پاکستان ہے۔ وہ پاکستان کہ جب وہ وجود میں آگیا تو ساری دنیا میں یہ آواز گونج اٹھے گی کہ ہاں! اب ایک ایسی مسلم اسٹیٹ کا قیام عمل میں آگیا ہے جو اسلام کے ماضی کی درخشندہ عظمت و شوکت کا احیاء کریگی۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ ص ۵۹)

(۹) یہاں قائد اعظمؒ نے مملکتِ پاکستان کو وہ مسلم اسٹیٹ کہا ہے جو اسلام کے صدر اول کی عظمت و شوکت کا احیاء کریگی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ (دہلی) ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کے خطاب میں انہوں نے فرمایا تھا۔

ہمارے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔ بہت سے فتنے برپا کئے جاتے ہیں۔ پوچھا یہ جاتا ہے کہ کیا پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگی؟ ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ کیا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جس کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سوال کرنے والے ہمارے خلاف (VOTE OF CENSURE) پاس کرتے ہیں۔ (تقاریر۔ جلد اول۔ ص ۵۵۵)

میں ضمناً یہاں یہ عرض کردوں کہ یہ غلط فہمیاں جماعتِ اسلامی پھیلاتی تھی جس کے امیر ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے تھے کہ،

مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں کی کسی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمع نظر اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے۔

(سیاسی کشمکش حصہ سوم مطبوعہ ترجمان القرآن محرم ۱۳۶۰ھ)

(۱۰) پاکستان کو اس قسم کی اسلامی مملکت بننا تھا جس کا تصور علامہ اقبالؒ نے دیا تھا۔ چنانچہ یومِ اقبال منعقدہ دسمبر ۱۹۴۴ء کے سلسلہ میں پیغام دیتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا کہ

اسلامی نظریاتِ زندگی پر یقینِ محکم رکھتے ہوئے اقبال ان معدودے چند مشاہیر میں سے تھا جنہوں نے اس امکان کو روشن کیا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال شرقی حصوں میں جو مسلمانوں کے تاریخی اماکن ہیں ایک اسلامک اسٹیٹ قائم کی جا سکتی ہے۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۲)

(۱۱) قائد اعظمؒ نے اس آواز کو کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہوگی ہندوستان کی چار دیواری تک ہی محدود نہیں رکھا۔ انہوں نے اسے مغربی ممالک تک میں عام کر دیا۔ انہوں نے ۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں بتایا۔

پاکستان ایک مسلم اسٹیٹ ہوگی۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۶)

انہوں نے لندن میں مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۶ء کو فرمایا کہ

ہم ایک ایسی آزاد مملکت چاہتے ہیں جس میں ہم اپنے تصوراتِ حیات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔"

(تقاریر۔ حصہ دوم ص ۴۰۳)

میں پوچھنا چاہتا ہوں برادرانِ گرامی قدر! کہ کیا ان اقتباسات کے بعد اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آسکتی!

ہے کہ قائد اعظمؒ کے نزدیک پاکستان کا مقصد کیا تھا اور وہ اسے ایک اسلامی مملکت دیکھنا چاہتے تھے یا سیکولر سٹیٹ!

اگر اسلام کو مٹنے سے بچانا چاہتے ہو تو....

اگر ان کے اس قدر اعلانات بھی ناکافی ہوں تو ان میں دو ایک ایسے بیانات کا اضافہ کر لیجئے جن میں انہوں نے برملا کہہ دیا تھا کہ اگر تم اس حصۂ ارض پر اسلام کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے قیامِ پاکستان کے سوا کوئی صورت ممکن نہیں۔ انہوں نے ــــــ

(۱۲) دس مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی یونین علیگڑھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

> اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس ملک سے اسلام کا نام و نشان نہ مٹ جائے تو اس کیلئے پاکستان نہ صرف یہ کہ ایک عملی نصب العین ہے بلکہ یہی اور صرف یہی واحد نصب العین (GOAL) ہے۔ (تقاریر جلد اول ۲۶۹)

(۱۳) پھر انہوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء کو پاکستان ڈے کی تقریب پر پیغام دیتے ہوئے کہا:۔

> ہماری حفاظت نجات اور عزت و آبرو (کے تحفظ کا واحد ذریعہ) پاکستان ہے۔ (یاد رکھو) اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو ہم تباہ ہو جائینگے اور پھر اس برصغیر میں مسلمانوں کا اور اسلام کا نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ (تقاریر جلد دوم۔ ص ۲۵۵)

(۱۴) اب آیئے اپنے اس راہ گم کردہ غلط بیں نوجوان کیطرف جس نے کہا تھا کہ مطالبۂ پاکستان کی اصلی بنیاد تو معاشی تھی

حصولِ پاکستان کے بعد

لیکن اسے مذہب کا نقاب اس لئے اوڑھا دیا گیا کہ یہ عوامی جدوجہد بن سکے! اس مفروضہ کے ماتحت اس نقاب کی ضرورت حصولِ پاکستان سے پہلے تک تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد تو اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لیکن دیکھئے کہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی قائد اعظمؒ کیا کہتے رہے تھے۔ انہوں نے آزادیٔ پاکستان کی پہلی سالگرہ کی تقریب پر ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو بحیثیت گورنر جنرل آف پاکستان قوم کے نام اپنے پیغام میں کہا تھا کہ

> پاکستان کا قیام ایک ایسا محیر العقول واقعہ ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سٹیٹس میں سے ایک ہے۔ (گورنر جنرل کی حیثیت سے تقاریر کا مجموعہ ص ۱۵۱)

یہ ان کی زندگی کا آخری پیغام تھا۔

(۱۵) انہوں نے گورنر جنرل کی حیثیت سے ' اکتوبر ۱۹۴۷ء میں خالقدینا ہال کراچی میں افسروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

> پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گزشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے، اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی زندگی اور ثقافت کے مطابق نشو و نما پاسکیں اور اسلام کے عدلِ عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر رو بہ عمل لائے جاسکیں۔ (ایضاً۔ ص ۲۲۵)

تھیاکریسی نہیں

اس مقام پر اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جب قائدِ اعظمؒ پاکستان کو اسلامی مملکت قرار دیتے تھے تو وہ اس خطرہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے جو اس مملکت کو اسلام کے اجارہ داروں کی طرف سے لاحق ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت پہلے وارننگ دے دی تھی۔ ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیجسلیٹرز کا کنونشن منعقد ہوا۔ اس کے آخری اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

> اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے! یاد رکھیئے۔ ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریٹک اسٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔ (تقاریر۔ جلد دوم ص ۳۸۶)

انہوں نے فروری ۱۹۴۸ء میں اہل امریکہ کے نام اپنے براڈکاسٹ میں کہا۔

> پاکستان کا نسٹی ٹیوشنل اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہو گی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئینِ پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عاید ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسلّمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہو گی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔ (تقاریر۔ بحیثیت گورنر جنرل ص ۶۵)

یہی بات انہوں نے ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو اہل آسٹریلیا کے نام اپنے براڈکاسٹ میں کہی تھی۔ (ایضاً۔ ص ۵۸)

(٥)

قرآن عظیم

یہاں سے عزیزانِ من! ایک اہم سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ قائدِ اعظمؒ پاکستان کو اسلامی مملکت بھی بنانا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ ہی اس میں زمامِ اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں بھی نہیں دینا چاہتے تھے۔ تو پھر وہ اس اسلامی مملکت میں قانون کا سرچشمہ اور آخری اتھارٹی کسے قرار دینا چاہتے تھے۔ قائدِ اعظمؒ نے اس باب میں بھی اپنے خیالات نہایت وضاحت سے بیان فرما دیئے تھے جو ہماری نئی نسل اور قدامت پرست دونوں طبقوں کے لئے دلیلِ راہ بننے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں غور سے سنیئے۔

(۱) اپریل ۱۹۴۳ء کا ذکر ہے، صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائدِ اعظمؒ سے ایک پیغام کے لئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔

> تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں۔ میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہ نمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے۔ وہ پیغام ہے خدا کی کتابِ عظیم قرآن کریم۔ (تقاریر۔ جلد اول۔ ص ۱۹۵)

(۲) ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو آپ نے قوم کے نام عید کا پیغام نشر فرمایا۔ اس زمانے میں ملک میں ہنگامے اور فسادات ہو رہے تھے۔ آپ نے قوم سے کہا کہ

جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے۔ (تقاریر۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۰۸)

(۳) دسمبر ۱۹۴۳ء میں کراچی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے پہلے خود ہی یہ سوال اٹھایا۔

وہ کونسا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد خود ہی ان سوالات کا جواب ان الفاظ میں دیا:-

وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب عظیم قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔

ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول۔ لہٰذا ایک قوم۔ (تقاریر۔ جلد دوم صفحہ ۵۱)

(۴) انہوں نے ۱۹۴۵ء میں ملت کے نام عید کے پیغام میں ایک ایسی حقیقت کشا بات کہی جس پر نگہ بصیرت ہمیشہ وجد کرتی رہے گی۔ آپ نے فرمایا:-

اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ قرآن کے احکام مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔ مشہور مؤرخ گبن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "بحر اطلانتک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوعِ انسان کے تمام اعمال و احوال کو محیط ہیں۔ اور یہ قوانین غیر متبدل منشائے خداوندی کے مظہر ہیں۔"

اس کے بعد قائداعظمؒ فرماتے ہیں:-

اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطہ زندگی ہے جو معاشرت، مذہب، تجارت، عدالت، فوج، دیوانی، فوجداری اور تعزیرات کے ضوابط کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کے معمولات۔ روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی واجبات کا۔ عام اخلاقیات ہوں یا جرائم۔ دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کے مواخذہ کا — ان سب کے لئے اس میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان قرآن کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جائے۔ (انہیں الگ مذہبی پیشواؤں کی ضرورت ہی نہیں)۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۳۰)

یہ تھا وہ مکمل، غیر متبدل، ضابطہ جسے اس مملکت اسلامیہ کے لئے سرچشمہ قوانین و ہدایت قرار دیا جانا مقصود تھا

جامع ملخص

اسلامی مملکت پاکستانیہ کی اساس و ضوابط کے متعلق جو کچھ اس وقت تک کہا گیا ہے آپ یقیناً چاہتے ہونگے کہ میں ان کا جامع ملخص بھی آپ کے سامنے پیش کردوں۔ لیکن حسنِ اتفاق دیکھئے کہ اس تفصیل کو خود قائداعظمؒ نے دو تین سوالات کے جواب میں اس حسن و خوبی سے سمو دیا ہے کہ اس کے بعد اس باب میں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہوا یہ کہ آپ اگست ۱۹۴۱ء میں حیدر آباد (دکن) تشریف لے گئے۔ وہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء نے کچھ سوالات پوچھے۔ یہ سوالات' اور قائداعظمؒ کی طرف سے دیئے گئے ان کے جواب' اورینٹ پریس آف انڈیا نے نشر کئے اور اس زمانے کے روزنامہ انقلاب (لاہور) نے شائع کئے۔ آپ بھی بغور سن لیجئے۔

__سوال__:- مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

__جواب__:- جب میں انگریزی زبان میں مذہب (RELIGION) کا لفظ سنتا ہوں تو اُس زبان اور محاورے کی رُو سے میرا ذہن لامحالہ خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی۔ سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق عمل نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصّہ ہے' اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔

__سوال__:- اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

__جواب__:- اشتراکیت' یا بالشویت یا اسی قسم کے دیگر معاشی یا سیاسی مسالک درحقیقت اسلام اور اس کے نظامِ سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی شکلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط و تناسب نہیں پایا جاتا۔

اب دیکھئے وہ تیسرا سوال اور اس کا جواب جو ہمارے نزدیک اس نظم مرصع کا مقطع کا بند ہے۔ سوال یہ تھا کہ،

اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟

__جواب__:- اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ' قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت' دوسرے الفاظ میں' قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور یہ ہے عزیزانِ من! ——— نظریۂ پاکستان۔

یہ تھے قائداعظمؒ کے ارشادات اس باب میں کہ پاکستان کی مملکت کس قسم کی ہوگی۔ ان کی موجودگی میں' مودودی صاحب' تقسیم سے پہلے فرماتے تھے کہ لیگ کے کسی لیڈر نے آج تک نہیں کہا کہ پاکستان میں نظام حکومت اسلامی ہوگا اور جسٹس منیر صاحب' تشکیل پاکستان کے بعد فرماتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے زمانے میں کسی کے ذہن تک میں نہیں تھا کہ یہاں اسلامی حکومت

قائم ہوگی۔ نہ ہی انہیں اس کا علم تھا اور نہ ہی ہمارے وزیر تعلیم کو اس کا علم کہ قائداعظمؒ نے کبھی اسلام کا نام لیا تھا یا نہیں۔ انہیں تو اس کا علم نہیں تھا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس کا علم تھا تو کسے تھا؟ اسے بھی غور سے سنیئے۔ یکم نومبر ۱۹۴۱ء کو لدھیانہ میں اکھنڈ بھارت کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور راہ نما مسٹر منشی (آنجہانی) نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:-

> تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے اماکن بنالیں جہاں زندگی اور طرز حکومت قرآنی اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھل سکیں اور جہاں اردو انکی قومی زبان بن سکے بمختلف الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطۂ ارض ہوگا جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ (ٹریبیون۔ ۲ نومبر ۱۹۴۱ء)

(۲) ۱۹۴۰ء میں ایک دفعہ یہ تجویز زیر غور آئی کہ کانگریس اور مسلم لیگ مل کر مخلوط حکومتیں قائم کرلیں۔ اس پر کانگریس کے ایک بلند پایہ لیڈر، مسٹر ستیہ مورتی نے کہا کہ

> کانگریس اس مسلم لیگ کے ساتھ مل کر مخلوط حکومتیں کس طرح قائم کرسکتی ہے جس کا نصب العین اسلامی حکومت کا احیاء ہو۔ (ہندوستان ٹائمز۔ ۱۱ جون)

یہ قرارداد لاہور کے تین ہی ماہ بعد کی بات ہے۔

آپ نے غور فرمایا؟ برادران عزیز! اس حقیقت کو نہ مودودی صاحب جانتے تھے نہ جسٹس منیر صاحب۔ نہ ہمارے وزیر تعلیم جانتے تھے، نہ حامد محمود صاحب۔ اسے جانتا تھا تو ہندوستان کا ہر ہندو۔ سچ کہا تھا میر تقی میر نے کہ

پتہ پتہ، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

—— (۰) ——

ایک مملکت

اس مقام پر یہ بھی دیکھتے جائیے کہ قائداعظمؒ نے پاکستان کے مغربی اور مشرقی بازوؤں میں دو الگ الگ آزاد ریاستوں کا تصور دیا تھا یا انہیں ایک ہی مملکت کے دو اجزاء کے لاینفک قرار دیا تھا۔ انہوں نے ۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

> جغرافیائی حیثیت سے پاکستان مغرب میں صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ اور پنجاب پر مشتمل ہوگا۔ اور مشرق میں بنگال اور آسام اس کا دوسرا حصہ ہونگے۔ پاکستان کے ان اجزاء کو اس کے صوبے یا (STATES) کہہ لیجئے۔ پاکستان بہرحال ایک مسلم اسٹیٹ ہوگا۔ (تقاریر، جلد دوم ص ۲۲۶-۲۲۵)

(۲) انہوں نے ۲۲ مئی ۱۹۴۶ء کو کیبنٹ مشن پلان کے سلسلے میں بیان دیتے ہوئے کہا:-

> مسلم لیگ کی پوزیشن یہ ہے کہ مشرق میں بنگال اور آسام اور مغرب میں پنجاب۔ سرحد سندھ

اور بلوچستان مل کر ایک آزاد خود مختار مملکت بنیں گے۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۹)

(۳) انہوں نے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۶ء کو لندن میں اعلان کیا تھا کہ "ہم ایک آزاد مملکت چاہتے ہیں۔" (تقاریر جلد دوم صفحہ ۳۴۶)

(۴) تشکیلِ پاکستان کے بعد وہ اس مملکت کے گورنر جنرل بنے جو مشرقی اور مغربی دونوں حصوں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو باشندگانِ آسٹریلیا کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا کہ

> پاکستان دو قطعات (BLOCKS) پر مشتمل ہے۔ ایک شمال مغرب میں واقع ہے اور دوسرا شمال مشرق میں۔ (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل۔ صفحہ ۵۷)

(۵) پھر انہوں نے اسی ماہ اہلِ امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں فرمایا۔

> پاکستان جو دس کروڑ مسلمانوں کے حسین خوابوں کی محسوس تعبیر ہے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آگیا۔ یہ دنیا میں سب سے بڑی اسلامی مملکت اور تمام دنیا کی مملکتوں میں پانچویں درجہ پر ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ دو حصوں میں منقسم ہے — ایک مغربی پاکستان اور دوسرا مشرقی پاکستان۔ ان دونوں میں قریب ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ مغربی پاکستان سرحد، مغربی پنجاب، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ہے جس کا رقبہ (۱,۷۹,۰۰۰) مربع میل ہے اور مشرقی پاکستان مشرقی بنگال اور ضلع سلہٹ پر مشتمل۔ اس کا رقبہ (۵۴,۰۰۰) مربع میل ہے۔ پاکستان کا کل رقبہ (۲,۳۳,۰۰۰) مربع میل اور آبادی قریب سات کروڑ ہے۔ (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل۔ صفحہ ۹۳)

فرمائیے! ان شواہد کے بعد یہ سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی بھی ضرورت ہے کہ قائداعظمؒ کے نزدیک پاکستان سے مراد ایک آزاد مملکت تھی یا مشرق اور مغرب میں دو آزاد مملکتیں!

(۰)

دو قومی نظریہ

اب میں عزیزانِ من! اس سوال کے تیسرے اور بنیادی حصہ کی طرف آتا ہوں۔ یعنی دو قومی نظریہ کی طرف۔ اس ضمن میں سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ "دو قومی نظریہ" سے مراد اتنی ہی نہیں کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو قومیں بستی تھیں۔ "دو قومی نظریہ" اسلام کی بنیادی تعلیم اور ایک ابدی صداقت ہے جس کا اعلان اس دن ہوا جب خدا کے پہلے رسول حضرت نوحؑ نے سب سے پہلی مرتبہ دینِ خداوندی کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد ہر رسول اس صداقت کو دہراتا رہا۔ تا آنکہ اسے قرآن کریم کی دفتین میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ وہ ابدی صداقت یہ ہے کہ ساری دنیا کے انسان دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ جو وحیٔ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے (اور یہ وحی اب صرف قرآن مجید کے اندر محفوظ ہے) اور دوسرا گروہ وہ جو اس نہج زندگی کو تسلیم نہیں کرتا۔ قرآن

ایک ابدی صداقت

کریم کے الفاظ میں۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔ (۶۴/۲) "خدا وہ ہے جس نے تم سب انسانوں کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کچھ کافر ہو گئے اور کچھ مومن بن گئے۔" لہٰذا، قرآن کریم کی رو سے دنیا میں قومیں دو ہی ہیں۔ ایک وہ قوم جو اس ایمان کی رو سے وجود میں

آئے اور دوسری ان کی جو ان میں شامل نہ ہوں۔ اس سے واضح ہے کہ جس طرح یہ تصور اسلام کے خلاف ہے کہ مسلم اور غیر مسلم مل کر ایک قوم بن سکتے ہیں، اسی طرح یہ مسلک بھی یکسر خلافِ اسلام ہے کہ مسلمان، رنگ، نسل، زبان، اور وطن کے اختلاف سے مختلف قوموں میں بٹ سکتے ہیں

صدرِ اول میں اسی نظریہ کی بنا پر دو قوموں کا وجود عمل میں لایا گیا۔ ایک امتِ مسلمہ (یعنی تمام دنیا کے مسلمان ایک قوم) اور دوسری ملتِ کافرہ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب مسلمانوں کی گاڑی اسلام کو چھوڑ کر دوسری پٹڑی پر جا پڑی تو امتِ مسلمہ (یعنی مسلمان قوم)، رنگ، نسل، زبان اور وطن کے اختلاف سے الگ الگ قوموں میں بٹ گئی۔ اور ان کی مملکتیں بھی الگ الگ قائم ہو گئیں۔ مسلمانوں کو اس غیر اسلامی نہج زندگی پر صدیاں گذر گئیں تا آنکہ علامہ اقبالؒ نے صدرِ اول کے صحیح اسلام کا تصور مسلمانوں کے سامنے پیش کیا، اور چاہا کہ ایک ایسا خطۂ زمین حاصل ہو جائے جس میں اس تصور کو عملاً متشکل کر کے احیاءِ اسلام کی تحریک کا آغاز کر دیا جائے۔ اس تجربہ کے بعد یہ سلسلہ آگے پھیلتا جائے جس سے

عالمگیر امت اور مملکت

رفتہ رفتہ تمام دنیا کے مسلمان پھر سے امتِ واحدہ (ایک قوم) بن جائیں اور ان کی ایک مرکزی قوت قائم ہو جائے جس کا نقطۂ ماسکہ قرآن کریم ہو۔ حامد محمود صاحب نے جو کہا ہے کہ اگر ایمان کے اشتراک کی بنا پر قومیت کی تشکیل کا اصول صحیح ہے تو پھر پاکستان کو کسی اسلامی مملکت (مثلاً افغانستان۔ ایران) کے ساتھ مدغم ہو جانا چاہیئے تو یہ بات اپنی اصل کی رُو سے بالکل درست ہے لیکن وہ یہ بھول گئے ہیں کہ (اول تو) پاکستان کو حقیقی اسلام کی تجربہ گاہ بننے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ابھی تک اسلامی مملکت نہیں بن سکا۔ اور دوسرے یہ کہ اِس وقت دنیا میں اسلامی مملکت کوئی بھی نہیں۔ سب مسلمانوں کی قومی مملکتیں ہیں مسلمانوں کی مملکتیں اگر (اور جب) اسلامی بن جائیں گی تو ان کے رہنے والے مسلمان سب ایک قوم کے افراد ہوں گے اور ان مملکتوں کا ضابطۂ قوانین و سرچشمۂ آئین بھی ایک ہی (یعنی قرآنِ کریم) ہو گا۔۔۔ اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تمام مملکتیں ایک ہی مملکت میں مدغم ہو جائیں۔ موجودہ زمانے میں جب سلسلہ مواصلات اس قدر عام اور سامان رسل و رسائل ایسا بافراط ہو گیا ہے اس قسم کی عالمگیر مملکت کا قیام کچھ بھی مشکل نہیں رہا۔

یہ بہرحال بعد کی بات ہے۔ ہم نے اس تجربہ کی ابتدا کرنے کے لئے، پاکستان کی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ہمارا پہلا مطالبہ، مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کی تشکیل نہیں تھا بلکہ اس حقیقت کا تسلیم کرانا تھا کہ مسلمان، ایمان کے اشتراک کی بنا پر، ہندوستان کے غیر مسلموں سے الگ، مستقل بالذات، قوم ہیں۔ قائدِ اعظمؒ سے اس کی بابت پوچھا جاتا تو وہ فرماتے کہ اگر مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم تسلیم کرا لیا گیا تو ان کے لئے ایک جداگانہ مملکت کا قیام اس کا منطقی اور لازمی نتیجہ ہو گا۔ اس لئے ہمیں سب سے پہلے اس بنیادی مطالبہ پر زور دینا چاہیئے۔ خود رسول اللہ نے بھی پہلے ایک (جداگانہ) امت کی تشکیل فرمائی تھی۔ مملکت اس کے پیچھے پیچھے خود آ گئی تھی۔ آیئے اب ہم دیکھیں کہ قائدِ اعظمؒ اس مطالبہ کو کس طرح باصرار و تکرار پیش کرتے گئے تھے۔

(۱) قائدِ اعظمؒ نے اس مطالبہ کا آغاز ایک ایسی حقیقت سے کیا، اور اسے ایسے انداز میں پیش کیا جو جامعیت

مذہب کی بنیاد پر دو قومیں

کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :-

پاکستان کا آغاز تو اس دن ہو گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم اسلام قبول کر کے مسلمان ہوا تھا۔ حالانکہ اس وقت ہنوز مسلمانوں کی کوئی حکومت یہاں قائم نہیں ہوئی تھی۔ جونہی کوئی ہندو مسلمان ہوتا ہندو اسے مذہبًا ہی نہیں بلکہ معاشرتی، ثقافتی اور اقتصادی حیثیت سے بھی اپنی برادری سے خارج کر دیتے (اور اس طرح اس کی پہلی قومیت ختم ہو جاتی) جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اسلام نے ان پر یہ پابندی عاید کر رکھی تھی کہ وہ کسی دوسری قومیت میں مدغم نہیں ہو سکتے۔ (اس طرح یہاں دو قومیں وجود میں آتی چلی گئیں) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک ہی قصبہ اور ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود کبھی ایک قوم میں مدغم نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ دو الگ الگ قوموں کی حیثیت سے رہتے چلے آ رہے ہیں۔ (تقاریر، حصہ دوم، ص ۱۷۲)

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان کبھی ایک قوم میں مدغم نہیں ہوئے۔ ایک قوم میں مدغم ہونا تو ایک طرف ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اچھوت سمجھا (اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا وہ گروہ جس نے ہندوؤں میں اس خیال کو عقیدہ کی حیثیت سے ابھارا کہ مسلمان اچھوت ہیں، بڑی دور رس اور گہری سیاسی نگاہ رکھتا تھا۔ اس سے ہندو اپنا جداگانہ تشخص قائم رکھ سکے) مسٹر گاندھی اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ ہندو اور مسلمان نہ کبھی ایک قوم بنے ہیں، نہ بن سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ قائداعظمؒ کے اس مطالبہ کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتے رہے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ جونہی مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کو تسلیم کیا گیا، ان کے لئے جداگانہ مملکت کا قیام ناگزیر ہو جائے گا۔ آپ دیکھئے کہ وہ قائداعظمؒ کے اس دعوے پر کہ مسلمان بربنائے مذہب، ایک جداگانہ قوم کے افراد ہیں، کس طرح تلملا اٹھے تھے۔ انہوں نے (مسٹر گاندھی نے) ۱۵ ستمبر ۱۹۴۴ء کو قائداعظمؒ کے نام اپنے خط میں لکھا:

> میں تاریخ میں اس کی مثال نہیں پاتا کہ کچھ لوگ جنہوں نے اپنے آباء و اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب قبول کر لیا ہو، وہ اور ان کی اولاد یہ دعویٰ کریں کہ وہ اپنے آباء و اجداد سے الگ قوم بن گئے ہیں۔ اگر ہندوستان اسلام کی آمد سے پہلے ایک قوم تھا تو اسلام کے بعد بھی اسے ایک قوم ہی رہنا چاہیئے خواہ اس کے سپوتوں میں سے ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا ہو۔

(۲) پاکستان کا ریزولیوشن، مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں پاس ہوا۔ اس اجلاس کے خطبۂ صدارت کے دوران قائداعظمؒ نے فرمایا:

> میرے لئے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندو مت کی حقیقت اور اصلیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں "مذہب" نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں اور اس بنا پر متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھیئے! ہندو اور مسلمان زندگی کے ہر معاملہ میں جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر ہیں۔ دو ایسی قوموں کا ایک نظام حکومت میں جکڑ دینا باہمی منافرت کو بڑھائے گا اور بالآخر اس نظام کو پاش پاش کر دیگا جو اس ملک کے لئے وضع

کیا گیا ہو۔ (تقاریر۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۷۷)

(۳) انہوں نے ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایڈورڈس کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

> ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ایسا ضابطۂ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہ نمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطے کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۴۶)

(۴) انہوں نے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم میں اور ہندوؤں میں کوئی بھی تو قدر مشترک نہیں۔ مذہب کو چھوڑیئے۔ ہم میں معاشرتی اور ثقافتی زندگی میں بھی کوئی اشتراک نہیں۔ پھر انہوں نے پاکستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس منعقدہ ۲ مارچ ۱۹۴۱ء میں اسی حقیقت کو دہرایا۔ (تقاریر جلد اول۔ صفحہ ۲۵۴ و ۲۳۹)۔ انہوں نے ۴ دسمبر ۱۹۴۶ء کو لندن میں کہا کہ۔

> ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات اس قدر بنیادی ہیں کہ زندگی کا کوئی مسئلہ بھی تو ایسا نہیں جس میں ہم دونوں متفق ہوں۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۵۰۳)

(۵) انہوں نے مسلم لیگ کے مدراس سیشن (۱۹۴۱ء) کے خطبۂ صدارت میں فرمایا۔

> مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں۔ انہیں کسی دوسری قوم میں جذب کرنے یا ان کے نظریات اور ملی تشخص کو مٹانے کے لئے جو کوشش کی جائے گی اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا۔۔۔۔۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم نے اپنے جداگانہ قومی تشخص اور جداگانہ مملکت کو قائم کرکے رہنا ہے۔ اس باب میں کسی کو کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے۔ (تقاریر جلد اول صفحہ ۲۸۰)

الگ قوم، الگ مملکت

(۶) اور اسی جداگانہ قومیت کے دعویٰ کی بنا پر انہوں نے جداگانہ مملکت کا مطالبہ پیش کر دیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں یہ کہہ کر اس کی بنیاد رکھ دی تھی کہ مسلمان قومیت کی ہر تعریف کی رُو سے ایک الگ قوم ہیں اور اس لئے ان کے بسنے کی جگہ بھی الگ ہونی چاہیئے۔ (تقاریر جلد اول۔ صفحہ ۱۸۰) پھر انہوں نے ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو پاکستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

> یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہم اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں اور ایک قوم کے لئے لامحالہ ایک الگ علاقہ چاہیئے۔ اگر قوم کا اپنا علاقہ (TERRITORY) نہ ہو تو اس کے قوم کہلانے کا فائدہ کیا ہے۔ ایک قوم خلا میں تو نہیں رہ سکتی۔ وہ ہوا میں نہیں بلکہ زمین پر رہتی ہے۔ اسے زمین پر حکومت کرنی چاہیئے۔ اس لئے اس کی اپنی مملکت ہونی چاہیئے۔
>
> اور یہی ہمارا مطالبہ ہے۔ (تقاریر۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۴۷)

اسی حقیقت کو انہوں نے یکم فروری ۱۹۴۳ء کو اسماعیلی کالج بمبئی میں اپنی تقریر کے دوران دہرایا۔ (ایضاً۔ صفحہ ۵۱۳)

میں نے عزیزانِ من! پہلے بتایا ہے کہ یہ حقیقت کہ پاکستان کا مطالبہ اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے اور اس مملکت کی حکومت قرآن پر مبنی اسلامی ہوگی مخالفین تحریک پاکستان (نیشنلسٹ علماء اور جماعت اسلامی، احرار، خدائی خدمتگار وغیرہ) کی سمجھ میں تو نہیں آتی تھی لیکن ہندو اسے خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں میں نے مسٹر منشی کے خطبۂ صدارت اور مسٹر ستیہ مورتی کے بیان کا اقتباس بھی پیش کیا تھا۔ یہی صورت "دو قومی نظریہ" کی بھی تھی۔ اسے نہ مولانا حسین احمد مدنی سمجھتے تھے، نہ ابوالکلام آزاد۔ لیکن اسے ہندوؤں کے لیڈر خوب سمجھتے تھے۔

لالہ لاجپت رائے کا اعتراف

لالہ لاجپت رائے ایک کٹر ہندو لیڈر اور نظریۂ پاکستان کا شدید ترین دشمن تھا۔ اس نے کانگریسی راہنما، مسٹر سی۔ آر۔ داس کو ایک خط لکھا تھا جس کا حوالہ قائداعظمؒ نے مسلم لیگ سیشن ۱۹۴۰ء کے خطبۂ صدارت میں دیا تھا۔ اس خط میں لالہ لاجپت رائے نے لکھا تھا:۔

> ایک اور بات جو کچھ عرصہ سے میرے لئے وجۂ اضطراب بن رہی ہے ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوتِ غور و خوض دوں۔ گزشتہ چھ ماہ میں میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیز (ہندو مسلم اتحاد) ایک امر محال اور ناقابل عمل شے ہے۔ وہ مسلمان راہنما جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں، اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس کے راستے میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔

اس کے بعد انہوں نے لکھا تھا۔

> آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کلکتہ میں اپنی اس گفتگو کا جو اس باب میں حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر کچلو سے ہوئی تھی، آپ سے تذکرہ کیا تھا۔ ہندوستان میں حکیم صاحب سے زیادہ سلجھا ہوا کوئی مسلمان نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حکیم صاحب یا کوئی دوسرا مسلمان راہنما قرآن کریم کے احکام پر خطِ تنسیخ کھینچ سکتا ہے۔ ...... میں تہ دل سے ہندو مسلمان اتحاد کی ضرورت کا قائل ہوں۔ اس کے لئے میں مسلمان راہنماؤں پر اعتماد کرنے کو بھی تیار ہوں لیکن قرآن و حدیث کے احکام کو ہم کیا کریں گے۔ مسلمان راہنما ان پر تو خطِ تنسیخ نہیں کھینچ سکتے۔
>
> (تقاریر جلد اول، صفحہ ۱۷۷)

کیا اس کے بعد بھی برادرانِ عزیز! اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے کہ دو قومی نظریہ جسے قائداعظمؒ اس شد و مد سے پیش کرتے چلے آ رہے تھے، قرآن و حدیث کے احکام پر مبنی تھا۔۔۔ قرآن و حدیث کے ان احکام پر جن پر بقول لالہ لاجپت رائے کوئی مسلمان خطِ تنسیخ کھینچ نہیں سکتا۔

---(۰)---

کہا یہ جاتا ہے کہ قائداعظمؒ نے بیشک دو قومی نظریہ ہندوستان میں پیش کیا تھا لیکن انہوں نے تشکیل پاکستان کے فوری بعد، ۱۱ اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی اسمبلی کی تقاریر میں کہہ دیا تھا کہ یہاں مسلم اور غیر مسلم ایک ہو کر رہیں گے۔ اور

تشکیل پاکستان کے بعد

اس طرح انہوں نے "دو قومی نظریہ" پر خود ہی خطِ تنسیخ کھینچ دیا تھا! اس سلسلہ میں طلوع اسلام میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ میں اس وقت اس کی تفصیل

میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس وقت (میں سمجھتا ہوں کہ) اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ قائد اعظمؒ کی ان تقاریر کا مطلب ایک غیر مسلم نے کیا سمجھا تھا۔ مسٹر جوشوا فضل دین مشہور عیسائی راہنما ہیں۔ انہوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان تھا (RATIONALE OF PAKISTAN'S CONSTITUTION) اس میں انہوں نے، قائد اعظمؒ کی مذکورہ بالا تقاریر کے اقتباسات دینے کے بعد کہا تھا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان سے قائد اعظمؒ کا یہ مقصد تھا کہ یہاں نہ ہندو، ہندو رہے نہ مسلمان مسلمان، بلکہ ان کے امتزاج سے ایک متحدہ قوم متشکل ہو جس کا نتیجہ لازماً سیکولر انداز حکومت ہو جائے، وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ مسٹر جوشوا نے ایسے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

> یہ کہنا کہ تخلیق پاکستان کے بعد قائد اعظمؒ نے۔ جو خود پاکستان کے خالق تھے۔ اپنی پہلی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے اس بات کا دور کا بھی امکان ہو کہ پاکستان کی بنیادیں منہدم ہو جائے گی بالکل پاگل پن ہے۔

اور کس قدر دور رس نگاہ تھی قائد اعظمؒ کی؟ اہلؒ نے جاتے جاتے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ اسلامی قومیت کے بنیادی عناصر کیا ہوتے ہیں۔ انہوں نے ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو آسٹریلیا کے باشندوں کے نام اپنے براڈکاسٹ میں پہلے یہ فرمایا۔

> مغربی پاکستان مشرقی پاکستان سے قریب ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہے اور ان کے درمیان مملکتِ ہند کا علاقہ حائل ہے۔ بیرونی ممالک کے ایک طالب علم کے دل میں جو پہلا سوال ابھرتا ہے وہ یہ ہوگا کہ (ایسی مملکت کا قیام) کس طرح ممکن ہوگا۔ ایسے دو خطوں میں جن میں اس قدر بُعد ہو وحدتِ حکومت کس طرح ممکن ہوگی۔ میں اس سوال کا جواب صرف ایک لفظ میں دوں گا۔ اور وہ یہ کہ:
>
> ایسا ہمارے ایمان کی رُو سے ہوگا۔ ایمان خدا پر۔ ایمان اپنے آپ پر۔ ایمان اپنے مستقبل پر۔
>
> لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ہم سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں وہ ایسے مختصر سے جواب کا پورا پورا مفہوم سمجھ نہیں سکیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بھی بیان کر دوں۔

اس کے بعد انہوں نے فرمایا:-

> پاکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم محمد رسول اللہؐ کی تعلیم کے پیرو ہیں۔ ہم اس اسلامی برادری کے ارکان ہیں جس میں حقوق شرف و احترام اور تکریم ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہوتے ہیں۔ بنا بریں، ہم میں اخوت اور وحدت کا بڑا گہرا جذبہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے اور اپنی رسوم و روایات۔ ہم اپنے نظریاتِ زندگی، نقطۂ نگاہ اور احساسِ دروں کے مالک ہیں۔ اور یہی ہیں وہ عوامل جو قومیت کی تشکیل کا مدار بنتے ہیں۔ (ان بنیادوں پر ہم ایک قوم بنتے ہیں)
>
> (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل ص۵۸)

آخری وضاحت

ایمان - ایمان خدا پر - ایمان اپنے آپ پر - ایمان اپنے مستقبل پر۔

یہ تھی برادرانِ عزیز! وہ اساسِ محکم جس پر مملکتِ پاکستان کی یہ رفیع و عظیم عمارت استوار ہوئی تھی۔ اور آج وہی ایمان باقی نہیں رہا۔ اور اسی کے باقی نہ رہنے سے ایک حصّہ پاکستان ختم ہو چکا ہے اور دوسرے کی بقا کے لئے ہم دعائیں مانگ رہے ہیں۔

(۱)

ہماری تباہی کے حقیقی اسباب

مشرقی پاکستان کی علیحدگی نہ تو کوئی اتفاقی یا ہنگامی حادثہ ہے، اور نہ ہی (جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے) اس کے حقیقی ذمہ دار، شیخ مجیب یا یحییٰ خان وغیرہ ہیں مجیب اور یحییٰ خان یا ۱۹۷۱ء کے حادثات تو اس کے فوری اسباب (IMMEDIATE-CAUSES) ہیں۔ اس کی ابتدا قائد اعظمؒ کی وفات کے فوری بعد ہو گئی تھی۔ جب (جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں،) پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ملا کر، اشتراکِ وطنیت کی بنا پر، ایک قوم تسلیم کر لیا گیا اور اس طرح پاکستان کے دو ستونوں میں سے ایک کو خود ہی منہدم کر دیا۔ اُس وقت سندھ اور مشرقی پاکستان میں ہندو خاصی تعداد میں تھے۔ اور اگرچہ گنتی کے اعتبار سے اقلیت میں تھے لیکن تعلیمی اور اقتصادی شعبوں میں وہ مسلمانوں پر غالب تھے۔ ان کے ایک قوم تسلیم کر لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ان علاقوں پر عملاً چھا گئے۔

ازاں بعد اردو اور بنگلہ دونوں قومی زبانیں تسلیم کر لی گئیں اور یوں بنگالیوں کے علیحدہ تشخص کی بنیاد رکھ دی گئی۔ ہندوؤں کے زیر اثر تعلیم سے وہاں (اور سندھ میں) سیکولر حکومت کا تصور پھیلتا چلا گیا۔ اور جب اسلام بنائے مملکت نہ رہا تو نسل اور زبان کے اشتراک کی بنا پر بنگالیوں میں جداگانہ قومیت کا رجحان تیز تر ہوتا گیا۔ پچیس سال سے یہ تخریبی عوامل پرورش پاتے رہے اور اربابِ اقتدار میں سے کسی نے بھی نہ تو ان کے سدِّباب کی کوئی فکر کی، اور نہ ہی مثبت طور پر، اسلام کی بنیاد پر واحد قومیت کی تعمیر کے لئے کوئی عملی اقدام کیا، اگرچہ زبانی ہر ایک یہی کہتا رہا کہ اسلام ہی وہ رشتہ ہے جس کی وجہ سے ہم اور ہزار میل دور بنگالی مسلمان ایک قوم کے افراد ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ زبانی دعاوی اور اعلانات خود فریبی تھا یا خدا فریبی، لیکن تھا بہرحال فریب ہی فریب۔ یہ تھے وہ عوامل جو آہستہ آہستہ نشوونما پانے کے بعد مشرقی بنگال کی علیحدگی کا موجب بنے — یہ اس کے بنیادی اسباب تھے، باقی سب ہنگامی اسباب۔

مشرقی پاکستان کے ہاتھوں سے چھن جانے کے بعد اب وہی عوامل یہاں بھی تیزی سے بڑھنے شروع ہو گئے ہیں۔ اور یہ اسی سازش کی بڑھتی ہوئی شاخ ہے جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر منتج ہوئی تھی۔ اس کے لئے ہمارے پاس شواہد موجود ہیں۔ مشرقی پاکستان میں ہندو اثر کے ماتحت وہاں کے مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ذہنی کیفیت کیا ہو چکی تھی، اس کا اندازہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے طالب علم۔ عزیز الرحمٰن کے اس خط سے لگ سکتا ہے جو اس نے ۱۹۶۹ء میں لکھا تھا اور جو طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں اس نے کہا تھا کہ پاکستان بننے کا نتیجہ تھا کہ:

مشرقی پاکستان کی بے باکیاں

ہم شری جیتنیا، خودی رام، سبھاش بوس، بیجائے سنگھ جیسے اپنے قومی ہیروز کو فراموش کر بیٹھے تھے اور ان کی جگہ خالدؓ۔ طارق۔ موسیٰ اور علی جیسوں کو اپنا ہیرو سمجھنے لگ گئے تھے۔ ہم نے اپنے دیس کے بھگوان

> کو بھلا دیا تھا اور اس کی جگہ ایک غیر ملکی خدا — اللہ کو اپنا معبود تصور کر لیا تھا۔ اب ہمارا بنگالی جذبہ آہستہ آہستہ بیدار ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے اسلامی قومیت کے بندھن ڈھیلے پڑ جائینگے اور علاقائی قومیت کے رشتے مضبوط ہو جائینگے۔

اس کے بعد اس نے لکھا تھا کہ:-

> مشرقی بنگال کی اس روش کے تتبع میں مغربی پاکستان میں ہمارے سندھی بھائی بھی بیدار ہو رہے ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھنا سیکھ لیا ہے کہ ہم راجہ داہر کی اولاد ہیں اور پہلے سندھی اور اس کے بعد کچھ اور ہیں۔

یہ ۱۹۶۹ء کی بات ہے۔ اس کے بعد ڈھاکہ سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار (FORUM) نے اپنی ۲۰ جنوری ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ

> دسمبر ۱۹۷۰ء تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اہل پاکستان میں وجہ جامعیت مذہب ہے۔ انتخابات نے اس ملمع کی قلعی کھول دی ...... اور نظریہ پاکستان کی وہ تمام نگاہ فریب خوش نمائیاں جنہیں قدامت پسند اور استحصال پرور طبقہ اس شد و مد سے پیش کرتا تھا، افسانہ بن کر رہ گئیں۔

اس کے بعد اس نے اپنی ۲۷ فروری ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ:-

> جب اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد نہیں رکھ سکے تو پھر سوچئے کہ بلوچ، پٹھان، پنجابیوں کو کون سا رشتہ متحد رکھ سکے گا۔ اسلام کی یاد تو یقیناً ایسا نہیں کر سکے گی۔

اب سندھ میں

یہ خیالات عام ہوئے تو (جیسا کہ عزیز الرحمٰن نے کہا تھا) ادھر سے سب سے پہلے ان کی نمود سندھ سے ہوئی۔ چنانچہ کراچی سے شائع ہونے والے روزنامہ حریت کی ہفتہ وار اشاعت بابت ۱۸ نومبر ۱۹۶۹ء میں، ایک سندھی طالبہ مس نسیم تھل کا ایک خط چھپا تھا جس میں اس نے لکھا تھا۔

> وہ اسلام اور پاکستان جو ہم سے ہمارا سندھ اور سندھی زبان چھینے، ایسے اسلام اور پاکستان کو ہم اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ یہ جھوٹ ہے کہ سندھ صرف اسلام اور اسلامی فلسفہ کی وجہ سے عظیم ہے۔ سندھ کی عظمت، سندھ کے سادہ لوح بہادر عوام ہیں، سندھ موہن جو داڑو، کوٹ ڈیجی جہان کے آثار قدیمہ اور لطیف، سچل، ایاز، جی ایم سید کی طرح کے شاعروں، دانشوروں کی وجہ سے عظیم ہے۔

اور یہی وہ ایاز اور سید ہیں جو اسلام کے خلاف وہ کچھ لکھتے اور کہتے ہیں جو اس کے بدترین غیر مسلم دشمنوں نے کبھی نہیں کہا تھا۔ اور اب یہ اس تحریک کے کارواں سالار ہیں جس کا مطمح نگاہ سندھ کی آزادی اور علیحدگی ہے۔ یہی خیالات اب رفتہ رفتہ مغربی پاکستان کے دوسرے علاقوں — سرحد اور بلوچستان — میں بھی پھیل رہے ہیں۔ یہاں بھی اسلام کے بنائے قومیت ہونے کے بجائے اب کھلم کھلا نسل یا زبان کے اشتراک کو قومیت کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے۔ اس بنیاد پر پہلے یہاں چار قوموں کے وجود کا تصور عام کیا جا رہا تھا؛ اب ان میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا ہے — یعنی اردو بولنے والے مہاجر۔ اس کے بعد مملکت کے دوسرے ستون — یعنی اسلامی مملکت کے اصول کی طرف آیئے تو ہمارے غلط نظام تعلیم کی وجہ سے سیکولر حکومت کا تصور ہمارے سکولوں اور کالجوں میں پہلے ہی عام ہو رہا تھا، جو اس کے بعد ہماری سیاسی پارٹیوں کے

منشور میں بھی یہ شق داخل ہونا ضرورت ہوگئی ـــــ ذرا غور فرمایئے اس بوالعجبی پر کہ آئینِ پاکستان میں یہ لکھا جاتا ہے کہ مملکت اسلامی ہوگی اور سیاسی پارٹیاں اپنے منشور میں کہتی ہیں کہ مملکت سیکولر ہوگی۔ اور ان کے خلاف' اس بنا پر کوئی ایکشن نہیں لیا جاتا۔ حالانکہ زندہ قوموں کے ہاں اس قسم کا تضاد' مملکت سے بغاوت قرار دیا جاتا ہے۔

ذرا سوچئے کہ مغربی پاکستان میں نسل یا زبان کے اعتبار سے چار (یا پانچ) الگ قومیں اور حکومت سیکولر! پھر یہ تصور کہ قومی زبان بے شک ایک (اردو) ہوگی لیکن سرکاری زبان ہر صوبے کی الگ الگ ہو سکتی ہے! چنانچہ مرکزی وزیر اطلاعات' کوثر نیازی صاحب نے ۲۹ جولائی کو ملتان کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> اردو قومی زبان ہے مگر پنجابی کو پنجاب میں۔ بلوچی کو بلوچستان میں، اور سندھی کو سندھ میں علاقائی زبان قرار دیا جا سکتا ہے۔ (نوائے وقت ۳۰/۷)

کہیئے کہ جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا تھا اس میں' اور جو کچھ یہاں ہو رہا ہے' اس میں' کچھ بھی فرق ہے؟ اور اگر کچھ بھی فرق نہیں تو اس کا جو نتیجہ وہاں نکلا تھا وہی نتیجہ یہاں بھی برآمد نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ وہاں ایک آزاد مملکت قائم ہوئی تھی' یہاں خیر سے چار آزاد مملکتیں قائم ہوں گی۔ اور انہیں جس کا جی چاہے گا جھپٹ کر لے جائے گا۔

قائد اعظمؒ کا احترام

اس سارے شور و شغب میں لے دیکے ایک قائد اعظمؒ کے نام کا احترام دلوں میں باقی رہ گیا تھا سو اسے بھی ختم کرنے کی مہم شروع ہو گئی ہے۔ اس کی بنیاد' تقسیم ہند کے فوری بعد جماعت اسلامی نے رکھ دی تھی جب مودودی صاحب نے' اپنے رسالہ ترجمان القرآن کی اگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں تحریکِ پاکستان کے راہنماؤں کے متعلق جن کے سالارِ کارواں قائد اعظمؒ تھے، لکھا تھا کہ

> اس پورے گروہ میں ایک کو کن بھی نہ نکلا جو بازی کھو دینے کے بعد سر دے سکتا۔ ساری جماعت بازی گروں سے بھری پڑی تھی جنہوں نے عجیب عجیب قلابازیاں کھا کر دنیا کو اپنی بودی سیرت اور کھوکھلے اخلاق کا تماشہ دکھایا اور اس قوم کی رہی سہی عزت خاک میں ملا دی جس کے وہ نمائندے تھے۔

مودودی صاحب سے تو قائد اعظمؒ کے حق میں کسی کلمہ خیر کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی[1]۔ اس لئے کہ وہ تحریکِ پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ وہ وہاں برملا کہتے تھے کہ

> لیگ کے قائد اعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے پرکھتا ہو۔ (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص ۳۳)

لیکن اب وہ لوگ بھی قائد اعظمؒ کے خلاف لب کشائی پر اتر آئے ہیں جو ان کے زیرِ سایۂ عاطفت تحریکِ پاکستان میں کام کرتے رہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں پیر علی محمد راشدی صاحب نے کراچی کے اخبار جنگ میں شائع شدہ ایک طویل مقا

---

[1] مودودی صاحب ہندوستان سے بھاگ کر پاکستان آ گئے تھے اور قائد اعظمؒ نے نہایت کشادہ ظرفی سے انہیں یہاں پناہ دی تھی۔ اس لئے' اور کچھ نہیں تو کم از کم مروت اور احسان شناسی کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے محسن کے حق میں اس قسم کے الفاظ نہ کہتے۔ لیکن ان سے اس کی توقع بھی عبث تھی۔ (طلوعِ اسلام)

قائد اعظمؒ کے خلاف

ہیں یہ گنانا ہے کہ بانیانِ پاکستان نے کیا کیا غلطیاں اور کس کس قسم کی حماقتیں کی تھیں۔ اور یہ بات تو اب قریب قریب ہر تعلیم یافتہ نوجوان کی زبان سے سنی جا رہی ہے کہ قائد اعظمؒ نے ہندوستان کے ٹکڑے کر کے الگ مملکت کے قیام سے ہمیں سخت نقصان پہنچایا۔ مشرقی پاکستان میں بھی اسی طرح قائد اعظمؒ کے خلاف جذباتِ نفرت ابھارے گئے تھے جو آخر الامر اس قسم کی شرمناک حرکات پر منتج ہوئے کہ ان کی تصویر کو پاؤں تلے روندا گیا اور پاکستان کا پرچم جلایا گیا۔ یہاں کی سرکش ذہنیت کا رُخ بھی اسی طرف کو ہے۔

مغربی پاکستان کے باقی حصوں میں تو یہ کچھ علانیہ ہو رہا ہے لیکن غنیمت ہے کہ ابھی تک پنجاب میں اسلام، پاکستان اور قائد اعظمؒ کے خلاف اس

پنجاب کی بات

قسم کے جذبات شدت تک نہیں پہنچے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پنجاب (بالخصوص اس کے قلب لاہور) کی فضاؤں میں ہنوز اقبالؒ کی روح رچی بسی ہوئی ہے اس لئے یہاں کے عوام کی نگاہوں میں ابھی تک حیاء اور ان کے دل میں جذباتِ احترام باقی ہیں لیکن یہاں بھی کچھ عرصہ سے ایک تحریک جاری ہے جس کا مقصد (ان لوگوں کے الفاظ میں) "اقبال کے بت کا توڑنا ہے"۔ مقصد اس سے بھی اس نظریہ کا ابطال ہی ہے جس پر پاکستان کی عمارت استوار ہوئی تھی۔ ورنہ اس کے سوا اقبالؒ کا کون سا جرم تھا جس کے لئے ان حضرات کو اس قسم کی بت شکنی کی ضرورت لاحق ہوتی!

(۰)

اس کا انجام!

یہ ہے عزیزانِ من! وہ مقام جس پر کھڑے ہم آج کہنے کو پاکستان کی چھبیسویں سالگرہ منانے لیکن درحقیقت خدا سے اس کے حق میں دعائے خیر مانگنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ پاکستان کا جو حصہ ہم سے چھن گیا ہے میں سردست اس کی بازیابی کی بات نہیں کر رہا۔ میں بات کر رہا ہوں اس حصہ کے تحفظ اور بقا کی جو ابھی تک ہمارے پاس ہے۔ میں نے حالات بے کم و کاست آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان کی روشنی میں سوچئے کہ اس وقت جو گھٹائیں چاروں طرف سے ہجوم کر کے اٹھ رہی ہیں، وہ اگر اسی رفتار سے بڑھتی چلی آئیں تو ___ اور اس تو کے بعد مجھ میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں بجز اس کے کہ یٰلیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا ___ خدا کرے کہ وہ دن دیکھنا میرے نصیب میں نہ ہو! بغداد کی تباہی پر بلبلِ شیراز نے اپنے خونِ جگر سے جو مرثیہ لکھا تھا اس میں ایک آہِ دلگداز کیف کو چلا کر کہا تھا کہ۔

اے محمدؐ گر قیامت را برآری سر ز خاک
سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں

میں اتنی جرأت تو نہیں کر سکتا کہ اس ہجومِ غم و آلام میں اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کو آواز دوں جس کی عظمت و تقدیس کا یہ عالم ہے کہ ؎

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اے قائد اعظمؒ!

میں اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ اک نالۂ دلدوز و آہِ جگر سوز کے ساتھ پکاروں کہ

قائد اعظمؒ! آپ کہاں ہیں؟

آیئے اور دیکھئے کہ آپ نے وہ متاعِ بے بہا جو آپ کے گریۂ نیم شبی کا حاصل تھی، جن سپوتوں کے سپرد کی تھی، انہوں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے اور کیا کرنے کے ارادے باندھ رہے ہیں ___ سالارِ کارواں! تیرے قافلہ کا یہ درماندہ راہی اس تیرہ و تار دشتِ کربِ الم میں، تنہا مصروفِ نالہ و فغاں ہے۔ تو آ، اور کم از کم اس کے آنسوؤں کو اپنے دامنِ شفقت سے پونچھ دے! اس کا اتنا حق تو آپ پر ضرور ہے۔

کچھ نقش تری یاد کے باقی ہیں ابھی تک
دل بے سروساماں ہی سہی ویراں تو نہیں ہے

عزیزانِ من! مجھے معاف کیجئے میں شدتِ غم میں بھٹک بھٹک کر کہاں آ گیا! یہ غلط ہے۔ مایوسی ہمارے کیش میں کفر ہے۔ یہ خطہ پاک اب بھی بچ سکتا ہے لیکن اس کا علاج یہ ہے کہ جن بنیادوں پر اس مملکت کی عمارت استوار ہوئی تھی انہی بنیادوں کو پھر سے قائم کر لیا جائے۔ اس کے سوا اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ یاد رکھئے

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

علاج اس کا؟

یہ علاج دو قسم کا ہوگا۔ ایک وہ جس کے اثرات فوری طور پر مرتب ہو جائیں گے، اور دوسرا وہ جس کے نتائج کی نمود دیر میں جا کر ہوگی۔ لیکن ہوگا وہ مستقل اور دیرپا۔ فوری اثرات کے لئے کرنے کا کام یہ ہوگا کہ آئین میں یہ شق رکھی جائے کہ،

(۱) پاکستان میں رہنے والے تمام مسلمان اسلام کی بنیاد پر ایک قوم کے افراد ہیں۔ یہاں ایک سے زیادہ قوموں کا تصور رکھنا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا مملکت کے خلاف بغاوت سمجھا جائیگا۔ غیر مسلم اس قوم کے افراد قرار نہیں پا سکیں گے۔

(۲) پاکستان کی مملکت اسلامی ہوگی، اس لئے یہاں سیکولر سٹیٹ کا نظریہ رکھنا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا مملکت کے خلاف بغاوت قرار دیا جائے گا۔

(۳) مملکت کی وحدت اور سالمیت کے خلاف کسی قسم کا نظریہ رکھنا اور اس کی اشاعت کرنا، بغاوت قرار دیا جائیگا۔

(۴) پاکستان کی حکومت وحدانی انداز کی ہوگی۔ صوبوں میں الگ الگ حکومتیں قائم نہیں ہوں گی۔

(۵) پاکستان کی قومی زبان ایک ہی ہوگی۔ مختلف زبانیں بولنے والے لوگ نجی طور پر اپنی اپنی زبانیں استعمال کرتے رہیں لیکن کسی جگہ بھی سرکاری زبان، قومی زبان سے الگ نہیں ہوگی۔ ایسا مطالبہ یا عمل مملکت کے خلاف بغاوت قرار دیا جائے گا۔

(۶) بغاوت کی سزا خواہ وہ کسی شکل میں ہو، موت اور ضبطیٔ املاک و مقبوضات ہوگی۔

جہاں تک دور رس نتائج کا تعلق ہے ــــ

(۱) ملک کا نصابِ تعلیم پورے کا پورا بدل دیا جائے۔ اور اسے از سر نو اس طرح مرتب کیا جائے کہ طالب علموں کے قلب و دماغ میں یہ حقیقت علیٰ وجہ البصیرت راسخ ہو جائے کہ

(ا) قرآن کریم انسانی زندگی کا واحد، مکمل، غیر متبدل اور آخری ضابطۂ حیات ہے (قرآن کو آخری ضابطۂ حیات تسلیم کرنے کا فطری اور منطقی نتیجہ ختم نبوت پر ایمان ہو جاتا ہے)

(ب) مسلم قومیت کا مدار اسلام ہے، اور رنگ، نسل، خون، زبان، وطن کی بنا پر تفریق یکسر خلافِ اسلام ہے۔

(ج) وحدتِ امت، وحدتِ ضابطۂ حیات کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں میں نہ مذہبی فرقے ہو سکتے ہیں، نہ مختلف سیاسی پارٹیاں۔

(۲) قرآن کریم کو بنیاد تسلیم کر کے ایسا ضابطۂ قوانین مرتب کیا جائے جو پاکستان کے تمام مسلمانوں پر یکساں نافذ العمل ہو۔

اگر ایسا کر لیا گیا تو یہ خطہ زمین نہ صرف باقی اور محفوظ رہ جائے گا بلکہ ایسا مستحکم ہو جائے گا کہ کوئی دشمن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ آپ اس سے نہ گھبرائیے کہ ہم معاشی طور پر بہت کمزور ہیں، ہم میں اسلحہ کی کمی ہے۔ وسائل پیداوار غیر نشوونما یافتہ ہیں۔ یہ سب چیزیں اپنی جگہ ضروری ہیں لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہے۔ مقدم حیثیت قوم کی وحدت اور یک جہتی کی ہے۔ قائد اعظمؒ نے تحریکِ پاکستان کے آغاز میں کہا تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم جو چند

اور انگریز دونوں کے خلاف اتنی مہیب جنگ کرنے کے لئے اٹھے ہیں تو ہمارے پاس ساز و سامان کیا ہے سنیئے:۔

میرا یہ اٹاچی کیس (اور انہوں نے اس اٹاچی کیس کو اٹھا کر دکھایا تھا)، ایک ٹائپ رائٹر، اور میرا پرسنل اسسٹنٹ۔ یہ ہے ہمارا ساز و سامان۔ (تقاریر۔ جلد اول۔ صکلہ ۱)

لیکن اس کے باوجود ہمارے لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ (غالب کے الفاظ میں)

بے دست و پانیم کہ ہنوز از وفورِ عشق
سود است در سرم کہ بہ ساماں برابر است

ضرورت صرف اس جنون کی ہے جسے قائد اعظمؒ نے (FAITH) کہہ کر پکارا ہے اور جسے قرآن ایمان کہتا ہے۔ ایمان کی قوتیں برادران من! لامتناہی ہوتی ہیں۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا ٭ تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

اور جب اس قسم کا ایمان قوم کے نوجوانوں میں پیدا ہو جائے تو ان کی کشور کشائی کی وسعتوں کا کیا ٹھکانہ؟ یہی وجہ تھی جو اقبالؒ نے بھی اپنی آہِ سحرگاہی کا وارث نوجوانوں کو قرار دیا تھا۔ قائد اعظمؒ نے بھی بار بار یہی فرمایا تھا کہ

ہماری امیدیں قوم مسلم کے نوجوانوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ (تقاریر۔ جلد اول صـ۲۰۲)

اور میں بھی عمر بھر انہی شاہین بچوں کو اپنے پیغام کا اولین مخاطب قرار دیتا چلا آرہا ہوں اور آج بھی میں ان سے یہی کہوں گا کہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے آپ سے جو توقعات وابستہ کی تھیں، ایک بار اٹھئیے اور انہیں پورا کر کے دکھائیے۔ پاکستان بچیگا تو آپ ہی کی قوتِ ایمان اور زورِ بازو سے بچیگا۔

ضرورت ہے نوجوانوں کی ایسی تنظیم کی جو ہر قسم کے تشدد، انتشار اور فساد سے مجتنب رہ کر نہایت پر امن طریق سے اس پروگرام کے حق میں جسے میں نے پہلے پیش کیا ہے، رائے عامہ ہموار کرے تاکہ اسے آئینی طور پر بروئے کار لایا جاسکے اور اس طرح اقبالؒ کے اس نظریہ کو عملاً سچ کر دکھایا جائے کہ

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود ٭ کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ہم نے "سنگ و خشت" کو کافی آزما کر دیکھ لیا۔ آئیے اب ایک موقعہ فکر و بصیرت کو بھی دیکر دیکھ لیں۔ خدا کرے کہ یہ حقیقت کہ قوموں کی زندگی میں فکر و بصیرت کی کیا اہمیت ہے ہمارے نونہالانِ ملت کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اور وہ اس صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی!
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارہ لعلِ ناب

ہم آج تک اس خطۂ پاک کے لعلِ ناب کو سنگِ خارہ بنانے میں مصروف رہے۔ آئیے اب اسکے سنگِ خارہ کو لعلِ ناب میں تبدیل کر کے دکھائیں۔

یہ انقلاب ہو تو بڑا انقلاب ہو

والسلام